(ہ) ایک بار آپ ﷺ کی محفل میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار ہے، دن میں روزے رکھتی ہے اور رات کو تہجد ادا کرتی ہے۔ لیکن پڑوسیوں کو تنگ کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وہ دوزخی ہے" اور ایک دوسری عورت کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرائض (عبادات) ادا کرتی ہے لیکن ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا "وہ جنتی ہے"

7۔ غیر مسلموں کے حقوق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ کافر اور مشرک ہرگز ہرگز مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے سے شہری حقوق عطا کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان سے شفقت آمیز برتاؤ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ (سورۃ المائدۃ:8)

ترجمہ:۔ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار غیر مسلموں سے ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا ایک ڈاکٹر مریض سے کرتا ہے۔ اسی حسن سلوک سے مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے دل جیت لیے۔

معاشرتی ذمہ داریاں

(ا) محاسن اخلاق

اسلام انسانی معاشرے کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے اخلاق حسنہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کے لیے اخلاقی قدروں کی پاسداری کو مذہبی فریضہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں چند محاسن اخلاق کا ذکر درج ذیل ہے۔

1۔ دیانت داری:

معاشی اور معاشرتی تعلقات کی استواری کے لیے دیانت ایک بنیادی شرط ہے۔ جس معاشرے سے دیانت داری ختم ہو جائے وہاں کاروباری معاملات سے لے کر گھریلو تعلقات تک ہر جگہ ناقابل اصلاح بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسلام اپنے نام لیواؤں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے دیانتداری کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ (سورۃ النساء: 58)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو۔

نیز جہاں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے والوں کی دیگر صفات بتائی گئی ہیں وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ (سورۃ المومنون:8)

ترجمہ:۔ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ آپ ﷺ منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے قبل بھی عرب کے بد دیانت معاشرے میں ''الامین'' یعنی دیانت دار کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے احساسِ دیانت کا یہ عالم تھا کہ مدینے ہجرت کرتے وقت بھی ان لوگوں کی امانتوں کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا جو آپؐ کے قتل کے درپے تھے۔ اسلام نے دیانت کے مفہوم کو محض تجارتی کاروبار تک محدود نہیں رکھا بلکہ وسعت دے کر جملہ حقوق العباد کی ادائیگی کو دیانت کے دائرے میں شامل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''محفل میں کی جانے والی باتیں بھی امانت ہیں'' یعنی ایک جگہ کوئی بات سن کر دوسری جگہ جا سنانا بھی بد دیانتی میں داخل ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانتیں سمجھیں اور ان سب کو اس احساس کے ساتھ استعمال کریں کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کو ان کا حساب دینا ہے۔ دیانت کی اس تعریف کے پیش نظر ناممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور بد دیانت بھی۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس میں دیانت نہیں اس میں ایمان نہیں''

2۔ ایفائے عہد:

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہمارے اکثر معاملات کی بنیاد وعدوں پر ہوتی ہے۔ وہ پورے ہوتے رہیں تو معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر ان کی خلاف ورزی شروع ہو جائے تو سارے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ اسی بگاڑ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسلام ایفائے عہد کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ (سورۃ بنی اسرائیل:34)

ترجمہ: اور پورا کرو عہد کو بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔

انسان کے تمام وعدوں میں اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے یومِ ازل سے بندگی کے معاملے میں اپنے خالق سے کیا ہوا ہے۔ قرآن عظیم نے اس کی یاد دہانی اس انداز سے کرائی ہے:

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (سورۃ الانعام:152)

ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرو تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

ایک اور مقام پر باہمی معاہدوں اور اجتماعی رشتوں کی پاسداری کا لحاظ رکھنے کی ہدایت اس طرح فرمائی گئی:

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ○ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (سورۃ الرعد: 21-20)

ترجمہ: وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جن کو اللہ نے فرمایا ملانا۔

نبی کریم ﷺ نے سخت سے سخت حالات میں بھی عہد کی پابندی فرمائی۔ مثلاً جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے جسم کے داغ دکھائے کہ اہل مکہ نے انھیں مسلمان ہو جانے پر کتنی اذیت دی ہے اور درخواست کی کہ انھیں مدینہ ساتھ لے جایا جائے تو آپ ﷺ نے اس شفقت کے باوصف جو آپ ﷺ کو

مسلمانوں سے تھی انھیں اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے جانے سے محض اس لیے انکار کر دیا کہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والے مسلمانوں کو مدینہ سے لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی دردناک حالت تمام صحابہ کرامؓ کے لیے بے قراری کا باعث تھی لیکن صلح نامہ حدیبیہ کی پاسداری کے پیشِ نظر سب نے صبر و تحمل سے کام لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خطبوں میں اکثر یہ بات فرماتے تھے:

لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ ترجمہ: جسے وعدے کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

ہمارے لین دین کے جملہ معاملات اور باہمی حقوق ایفائے عہد ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس لیے دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سب کی پاسداری کریں۔

3۔ سچائی:

سچائی ایک ایسی عالمگیر حقیقت ہے جسے تسلیم کیے بغیر انسان سکھ چین کا سانس نہیں لے سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو نہایت جامعیت کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا: اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے اپنے صادق القول ہونے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ (سورۃ النساء:87) ترجمہ:۔ اور اللہ سے سچی کس کی بات ہے۔

اسی طرح قرآنِ حکیم میں انبیاء کی اس صفت کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ وہ راست گفتار تھے۔ سچائی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ تمام انبیاء نے وہیں سے سچائی حاصل کی اور دنیا میں پھیلائی۔ اس سچائی سے انکار کرنے والا زندگی کے ہر معاملے میں جھوٹ اور باطل کی پیروی کرتا ہے اور ہلاک ہو کر رہتا ہے۔ اردو میں ہم سچ کا لفظ محض گفتگو کے تعلق سے استعمال کرتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اس کے مفہوم میں قول کے ساتھ عمل اور خیال تک کی سچائی شامل ہے۔ یعنی صادق وہ ہے جو نہ صرف زبان ہی سے سچ بولے۔ بلکہ اس کے فکر و عمل میں بھی سچائی رچی بسی ہو۔

4۔ عدل و انصاف:

عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق باآسانی مل جائے۔ نظامِ عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر و خوبی سرانجام پاتے ہیں اور بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعثتِ نبوی سے قبل دنیا عدل و انصاف کے تصور سے خالی ہو چکی تھی۔ طاقتور ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ دینِ اسلام کی طفیل ظلم و ستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل و انصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ و نسل اور قوم و وطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ ناانصافی کی بنا پر انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان نفرت کی جو دیوار کھڑی ہو گئی تھی اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔ اس طرح لوگوں کے درمیان انس و محبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسان کے لیے

سرمایۂ افتخار ہے۔ اسلام وہ دین ہے جس نے عدل وانصاف کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسلِ انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (سورۃ المائدۃ: 8)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

رنگ ونسل کی طرح اسلام کے تصورِ عدل میں کسی کے اعلیٰ منصب اور مرتبے کی کوئی اہمیت نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''تم سے پہلے قومیں اسی سبب سے برباد ہوئیں کہ ان کے چھوٹوں کو سزا دی جاتی تھی اور بڑوں کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتیں تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔''

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظامِ عدل کا قیام ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے سلطانِ عادل کو اللہ کا سایہ قرار دیا۔

5۔ احترامِ قانون:

جس طرح قدرت کا نظام چند فطری قوانین کا پابند ہے۔ اسی طرح معاشرے کا قیام ودوام' معاشرتی' اخلاقی اور دینی احکام وقوانین پر موقوف ہے۔ یوں تو دنیا کا کم عقل سے کم عقل انسان بھی قانون کی ضرورت' اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا۔ لیکن کم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔ عصرِ حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضابطے اور قانون کی پابندی سے گریزاں ہیں۔ اور لاقانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن وسکون غارت کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ اس کی دو اہم وجوہ ہیں:

1۔ خود غرضی اور مفاد پرستی۔

2۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔

اسلام ان دونوں وجوہ کا بخوبی تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے۔ ایک طرف وہ انھیں اللہ کی پرستش اور ایثار وسخاوت کا درس دیتا ہے تو دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس وشعور پیدا کرتا ہے۔ اسلام انھیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے اثر ورسوخ یا دھوکے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے آخرت میں انھیں اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آخرت میں جواب دہی کا یہی احساس اسلامی معاشرے کے گناہ میں ملوث ہو جانے والے افراد کو از خود عدالت میں جانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اصرار کرتے ہیں کہ انھیں دنیا میں سزا دے کر پاک کر دیا جائے تاکہ وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں۔

لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام کا سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسداری کرے اور اپنے اثر ورسوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ آج دنیا میں قانون کے سامنے سب کے برابر ہونے کا چرچا تو بہت ہے۔ لیکن دنیا کا شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقے کو مخصوص مراعات مہیا نہ کی گئی ہوں اور قانون میں آقا وغلام اور شاہ وگدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ گم ہوگئی اور ایک یہودی سے ملی۔ خود خلیفہ وقت ہونے کے باوصف آپؓ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے اور جب قاضی نے آپؓ کے بیٹے اور غلام دونوں کی گواہی ان سے قریبی تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپؓ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گئے۔ احترام قانون کی اس مثال نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

6۔ کسب حلال:

کسب حلال کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (سورۃ المومنون:51)

ترجمہ: اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا۔

اسی طرح تمام انسانوں کو تلقین فرمائی گئی:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (سورۃ البقرۃ:168)

ترجمہ: اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ۔

مزید برآں مسلمانوں کو خصوصی تاکید کی گئی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (سورۃ البقرۃ:172)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو۔

اسلام میں عبادات اور معاملات کے ضمن میں کسب حلال کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے عبادات کی مقبولیت کے لیے کسب حلال کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (سورۃ البقرۃ:188)

ترجمہ:۔ اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق۔

جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی یعنی ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سودخوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی اور سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے تو اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسلام ہر معاملے میں کسب معاش کے ان تمام غلط طریقوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور ناجائز ذرائع کے اختیار کرنے والوں کو جہنم کی خبر دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ''حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہیے'' جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین ہوگا وہ کبھی جائز وسائل کو چھوڑ کر ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرے گا۔ خواہ اُن میں کتنی ہی دلکشی کیوں نہ ہو۔ البتہ جو شخص اس

شیطانی وسوسے میں مبتلا ہو کہ میں ناجائز ذرائع سے اپنے مقدر سے زیادہ کما سکتا ہوں وہی حرام طریقوں کا سہارا لے گا۔ شیطان کے اس حربے کو ناکام بنانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ معیارِ زندگی کا ڈھونگ رچانے کی بجائے سادگی' کفایت شعاری' میانہ روی اور قناعت پسندی کے اصولوں پر کاربند رہا جائے۔

7۔ ایثار:

دنیا پرستی اگر انسان کو خود غرضی اور مفاد پرستی سکھاتی ہے تو خدا پرستی اس میں جذبۂ ایثار پیدا کرتی ہے۔ وہ خود تکلیف اٹھا کر خلقِ خدا کو راحت و آرام پہنچاتا ہے۔ اس کا عمل اللہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پائے گا اور اُخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے گا۔

دیگر محاسنِ اخلاق کی طرح نبی اکرم ﷺ ایثار و سخاوت کا بہترین نمونہ تھے اور سربراہِ مملکت ہوتے ہوئے بھی انتہائی غُربت و عُسرت کی زندگی گزارتے تھے۔ خانۂ مبارک میں ہفتوں چولھا نہیں جلتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے گھر سے کوئی سائل محروم نہیں اٹھا۔ اپنے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو قرض لے کر حاجت مند کی حاجت پوری کرتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے جانور ذبح فرمایا اور گوشت تقسیم کی غرض سے گھر بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد گھر میں آ کر دریافت فرمایا کتنا تقسیم ہو گیا اور کتنا بچا۔ عرض کیا گیا کہ عمدہ قسم کا گوشت تقسیم ہو گیا ہے اور خراب قسم کا گوشت باقی رہ گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اور جو تقسیم ہو گیا ہے وہ رہ گیا ہے اور جو باقی بچا ہے حقیقت میں وہ چلا گیا ہے"

صحابہ کرامؓ بھی جذبۂ ایثار سے سرشار تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں جانے والی فوج کے ساز و سامان کے لیے مسلمانوں سے مالی اعانت طلب کی گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ گھر کا سارا سامان لے آئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے قحط کے زمانے میں باہر سے آنے والا غلہ دوگنے چوگنے منافع کی پیش کش کرتے ہوئے خریدا اور بلا معاوضہ تقسیم کر دیا۔

صحابہ کرامؓ کے ایثار کے سلسلے میں ایک واقعہ بڑا اثر انگیز ہے۔ ایک بار کوئی بھوکا پیاسا شخص حضور پرنور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے دولت کدے پر پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حسبِ دستور ایک انصاری صحابیؓ آپ ﷺ کے مہمان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ گھر پہنچ کر بیوی سے معلوم ہوا کہ کھانا صرف بچوں کے لیے کافی ہے۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا کر فاقے کی حالت میں سلا دو اور کھانا شروع کرتے وقت کسی بہانے چراغ بجھا دو۔ تاکہ مہمان کو یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہم کھانے میں شریک نہیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور انصاری کا یہ پورا گھرانہ بھوکا سویا رہا۔ صبح جب یہ صحابیؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ جل شانہٗ تمھارے رات کے حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوا۔ (صحیح البخاری، حدیث:3798، صحیح مسلم، حدیث:2054) ایسے ہی ایثار پیشہ لوگوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ (سورۃ الحشر:9)

ترجمہ: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔

ہجرت کے موقع پر انصارِ مدینہ نے مہاجرینِ مکہ کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلے میں جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔

(ب) رذائلِ اخلاق

جس طرح اخلاقِ حسنہ کی ایک طویل فہرست ہے جن کو اپنا کر آدمی دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے اسی طرح کچھ ایسے اخلاق رذیلہ ہیں جن کو اختیار کرنے کے بعد انسان حیوانی درجے میں جا گرتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہوں اور اخلاقِ رذیلہ سے بچیں جو انسان کی شخصیت کو داغ دار کر دیتے ہیں۔ اور اسے ہر قسم کی نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیتے ہیں۔ چند ایک رذائلِ اخلاق درج ذیل ہیں:

1۔ جھوٹ:

جھوٹ نہ صرف یہ کہ بجائے خود ایک برائی ہے بلکہ دیگر بہت سی اخلاقی برائیوں کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسلام میں جھوٹ بولنے کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○ (سورۃ الزمر:3)

ترجمہ: بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا اور حق نہ ماننے والا ہو۔

نبی اکرم ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا "یا رسول اللہ ﷺ! جنت میں لے جانے والا عمل کون سا ہے؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "سچ بولنا' جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے۔ اس سے اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں یہ اضافہ جنت میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔" اس شخص نے دریافت کیا۔ "یا رسول اللہ ﷺ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے۔" فرمایا "جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا۔ جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرتا چلا جائے گا اور یہ کفر اسے جہنم میں لے جائے گا" جھوٹ کا تعلق محض زبان سے نہیں بلکہ بہت سے دوسرے ناپسندیدہ اعمال بھی جھوٹ کی تعریف میں آتے ہیں۔ مثلاً غلط طریقے سے کسی کا مال ہتھیانا' کم تولنا' غرور کرنا' منافقت سے کام لینا وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے خود و نمائش کو بھی جھوٹ کی ایک قسم قرار دیا۔ جھوٹ کے نتیجے میں باہمی اعتبار اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ اور معاشرتی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جھوٹ کی ہر قسم سے پرہیز کریں۔

2۔ غیبت:

اخلاقی بیماریوں میں غیبت جس قدر بری بیماری ہے بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اسی قدر عام ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اس بیماری سے محفوظ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ (سورۃ الحجرات:12)

ترجمہ: اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو' بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو تو گھن آتا ہے تم کو اس سے۔

غیبت کے لیے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی تمثیل انتہائی بلیغ ہے۔ کیونکہ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ اس طرح غیبت سے باہمی نفرت کو ہوا ملتی ہے اور دشمنی کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ غیبت کے مرض میں مبتلا شخص خود کو عموماً عیبوں سے پاک تصور کرنے لگتا ہے۔ اور جس کی غیبت کی جائے وہ اپنے عیب کی تشہیر ہو جانے کے باعث اور ڈھیٹ ہو جاتا ہے۔ غرض غیبت ہر لحاظ سے معاشرتی

سکون برباد کرتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ لوگ اس سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزت و آبرو بگاڑتے ہیں۔ (یعنی غیبت کرتے ہیں)

شریعتِ اسلامی میں غیبت صرف دو صورتوں میں جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک مظلوم کی ظالم کے خلاف فریاد کی شکل میں اور دوسرے لوگوں کو کسی فریب کار کی فریب کاری سے آگاہ کرنے کے لیے۔ بعض علما نے نقل اتارنے اور تحقیر آمیز اشارات کرنے کو بھی غیبت میں شمار کیا ہے۔

غیبت اور اتہام میں فرق ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ غیبت سے مراد کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی وہ برائی بیان کرنا ہے جو اس میں موجود ہے۔ جب کہ اتہام (تہمت لگانا) سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں موجود ہی نہیں ہے اور اس کے دامنِ عفت کو بلاوجہ داغ دار بنایا جائے۔

3۔ منافقت:

علماء اسلام نے منافق کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ ایک وہ منافق جو دل سے اسلام کی صداقت و حقانیت کا قائل نہیں، لیکن کسی مصلحت یا شرارت کی بنا پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں اور اسلام دونوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسے اعتقادی منافق کہتے ہیں۔ دوسرا منافق وہ ہے جو اگرچہ خلوصِ نیت سے اسلام قبول کرتا ہے لیکن بعض بشری کمزوریوں کی وجہ سے اسلام کے عملی احکام پر چلنے میں تساہل یا کوتاہی کرتا ہے۔ اسے عملی منافق کہتے ہیں۔ پہلی قسم کا منافق کافروں سے بدتر ہے۔ جب کہ دوسری قسم کا منافق صاحبِ ایمان ضرور ہے لیکن اس کی تعلیم و تربیت ابھی ناقص ہے، جو کسی معلم و مربی کے فیضانِ نظر یا صحبت نشینی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی سب سے خطرناک چال یہ ہوتی ہے کہ وہ دین داری کے پردے میں مسلمانوں کو باہم لڑا دیں۔ اسی مقصد کے لیے انھوں نے مدینے میں مسجد نبویؐ کے مقابل مسجدِ ضرار تعمیر کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ نے اس مسجد کو مسمار کرا کے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ (سورۃ التحریم:9)

ترجمہ: اے نبی! لڑائی کرو منکروں سے اور دغابازوں سے اور سختی کرو ان پر اور ان کا گھر دوزخ ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے منافق کی پہچان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں:

1۔ جب بولے تو جھوٹ بولے۔

2۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

3۔ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

ان نشانیوں کے ہوتے ہوئے چاہے وہ نماز اور روزہ کا پابند ہو وہ منافق ہی ہے۔ قرآن مجید میں ان منافقوں کے انجام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے اور تکلیف دہ حصے میں رکھے جائیں گے۔

4۔ تکبر:

تکبر کے معنی خود کو بڑا اور برتر ظاہر کرنے کے ہیں۔ اردو میں اس کے لیے لفظ بڑائی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا اور کہا کہ میں آدمؑ سے افضل ہوں۔ اس لیے ان کو سجدہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ○ (سورۃ الاعراف:13)

ترجمہ: تو اُتر یہاں سے تُو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں۔ پس باہر نکل تُو ذلیل ہے۔

وہ دن اور آج کا دن۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا چلا آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق' آخرت میں بھی متکبر انسانوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ○ (سورۃ الزمر:60)

ترجمہ:۔ کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ غرور کرنے والوں کا۔

تکبر کی مذمت فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا" جس کے دل میں رائی برابر بھی غرور اور تکبر ہوگا وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

مغرور و متکبر انسان دوسروں کو حقیر سمجھ کر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور گناہوں پر بے باک ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے میرے گناہوں کی سزا کون دے سکتا ہے؟ اسی لیے وہ مروت' اخوت' ایثار اور اس قسم کی بہت سی دوسری بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

5۔ حسد:

انسان دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بھائی کو اچھی حالت میں دیکھیں تو خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ لیکن حسد وہ بری خصلت ہے جو کسی کو خوش حال اور پرسکون دیکھ کر انسان کو بے چین کر دیتی ہے اور وہ اپنے بھائی کی خوشحالی کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دل ہی دل میں جلتا اور کڑھتا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ خود اپنے لیے پریشانی مول لے لیتا ہے۔ یوں تو حسد ایک اخلاقی بیماری ہے لیکن اس کے نتیجے میں انسان کئی دوسری اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب وہ دوسروں کو بہتر حالت میں دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا تو وہ اپنے بہت سے عزیزوں سے ترکِ تعلق کر لیتا ہے جو ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اسی طرح جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہو جائے وہ کبھی قانع نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حالتِ زار پر کفِ افسوس ملتا رہتا ہے۔ اس کی وہ صلاحیتیں جو اپنی حالت بہتر بنانے پر صَرف ہو سکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔ حاسد اپنی بھڑکائی ہوئی آگ میں خود ہی جلتا رہتا ہے۔ گو اسلام اپنے پیروکاروں کو محبت اور احساس کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن حاسد کے دل میں سوائے نفرت اور جلن کے کوئی شریفانہ جذبہ جگہ نہیں پا سکتا۔ اجتماعی فلاح کے معانی یہ ہیں کہ معاشرے کے جملہ افراد معزز اور خوشحال ہوں۔ لیکن حاسد لوگوں کی نیک نامی اور خوشحالی کو ذلت و خواری میں بدلتے دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک نہ ایک دن وہ معاشرے کی نظروں میں ذلیل ہو کر

رہتا ہے۔ مسلمانوں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے حسد سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

ترجمہ:۔ دیکھو! حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

اگر انسان حسد جیسے اخلاق رذیلہ سے بچنا چاہے تو اسے بزرگانِ دین کی سادگی و قناعت کی تاریخی مثالوں سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ مزید برآں وہ دولت و اقتدار سے پیدا ہونے والی برائیوں اور مفاسد پر نظر رکھے۔

سوالات

1۔ ارکانِ اسلام سے کیا مراد ہے، فرد کی تعمیرِ سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کیا کردار ادا کرتی ہے؟

2۔ روزے کے مقاصد اور عملی زندگی پر اس کے اثرات بیان کریں۔

3۔ اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

4۔ حج کا فلسفہ کیا ہے؟ نیز اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد بیان کریں۔

5۔ جہاد اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اس کی قسمیں اور فضائل بیان کریں۔

6۔ اولاد کے حقوق و فرائض قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کریں۔

7۔ اسلام نے عورت کو معاشرہ میں کیا مقام دیا ہے؟ اس کے حقوق اور اس کی ذمہ داریاں بیان کریں۔

8۔ مندرجہ ذیل کے حقوق و فرائض پر مختصر نوٹ لکھیں۔

رشتہ دار، ہمسائے، اساتذہ، غیر مسلم

9۔ معاشرہ کی اسلامی تشکیل کے لیے کن امور کی پابندی ضروری ہے؟

10۔ محاسنِ اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ محاسنِ اخلاق تفصیلاً بیان کریں جن سے معاشرہ سنور سکتا ہے۔

11۔ رذائلِ اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ رذائل کا تفصیلاً ذکر کریں جن سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

12۔ کسبِ حلال کی اہمیت بیان کریں۔

13۔ ''حاسد قناعت کی دولت سے محروم رہتا ہے۔'' وضاحت کیجئے۔

14۔ صحابہؓ کے ایثار کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

15۔ ''حکمران طبقے کے لیے قانون کی پاسداری کیوں ضروری ہے؟'' وضاحت کریں۔

☆☆☆